ڈاکٹر محمد اسحاق
مترجم: شاہد حسین رزاقی

شیخ نظام الدین اولیاؒ اور ان کا حلقۂ محدثین

عربوں کے عہدِ حکومت میں سندھ مسلمانوں کا سیاسی اور تہذیبی مرکز بن گیا تھا اور یہاں اسلامی علوم کو روز افزوں فروغ حاصل ہوا۔ اس دَور میں علم حدیث کو بنیادی اہمیت دی گئی اور محدثینِ سندھ نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ سلطان محمود غزنوی کی عظیم الشان فتوحات سے اسلامی ہند کے نئے اور شاندار دَور کا آغاز ہوا۔ اس دَور میں بھی علم حدیث کو اولین اہمیت دی جاتی رہی اور لاہور حدیث کی تعلیم و اشاعت کا ایک بڑا مرکز بن گیا تھا۔ ۱۲۰۵ء (۶۰۲ھ) میں سلطنت دہلی کی بنیاد پڑی اور علم فقہ پر خاص توجہ ہونے لگی۔ چنگیز خاں کی غارت گری نے وسطی ایشیا میں امن و امان اور سیاسی نظام کو تہ و بالا کر ڈالا اور وہاں کے علما نے دہلی کا رخ کیا جس کے علم دوست سلاطین علما کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ اس طرح دہلی اسلامی علوم کا بہت بڑا مرکز بن گیا اور تفسیر و حدیث اور فقہ و معقولات کے جید عالم اس شہر میں جمع ہو گئے۔ بڑے بڑے مدرسے قائم کیے گئے جن میں فقہ، اصولِ فقہ، منطق، تصوف، تفسیر، حدیث، عربی لغت اور ادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس دَور کے علما نے فقہ اور اصولِ فقہ پر زیادہ توجہ کی اور ان علوم کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ فقہ کے بعد سب سے زیادہ توجہ معقولات پر کی جاتی تھی۔ سلطان محمد تغلق خود بہت بڑا عالم تھا اور اس کو معقولات سے غیر معمولی دلچسپی تھی اس لیے اس نے معقولات کے علما کی بہت حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی۔ چنانچہ معقولات کی طرف عام رجحان پیدا ہو گیا اور منقولات کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ علما کی عظیم اکثریت حنفی مسلک کی حامل تھی اور یہ لوگ حنفی فقہ کے اس قدر قائل تھے کہ فقہی روایات کو احادیث پر بھی فوقیت دینے لگے۔ یہ صورتِ حال کئی علما اور صوفیا کے لیے ناقابلِ برداشت تھی کیونکہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ تفسیر اور حدیث کی بنیادی اہمیت کو نظر انداز کرنے کے نتائج کس قدر خطرناک ہوں گے۔ ان بزرگوں میں کئی صوفی علما بھی تھے جن

تھے ۔ انھوں نے علم حدیث کی اشاعت اور تعلیم پر پوری توجہ کی ۔ خود بھی حدیث کا بہت غائر مطالعہ کیا اور اپنے معتقدین کو بھی اس کی ترغیب دی ۔ اور اس طرح علم حدیث کو پھر فروغ ہونے لگا ۔ دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا، بہار میں شرف الدین منیری، کشمیر میں سید علی ہمدانی اور ملتان میں زکریا ملتانی کے قائم کردہ مکاتب حدیث کو بہت فروغ ہوا اور ان صوفی علما اور ان کے مقلدوں نے علم حدیث کی اشاعت اور تعلیم کے لیے اہم خدمات انجام دیں ۔

شیخ نظام الدین اولیا (۶۳۴ تا ۷۲۵ھ ۔ ۱۲۳۶ تا ۱۳۲۵ء)

محمد بن احمد بن علی، جو نظام الدین اولیا کے نام سے مشہور ہیں ۔ ۶۳۴ھ ۔ ۱۲۳۶ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے تھے ۔ جہاں ان کے دادا شیخ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں منگولوں کے حملے کے دوران میں بخارا سے ہجرت کرکے آباد ہو گئے تھے ۔ شیخ نظام الدین نے علاء الدین اصولی بدایونی اور شمس الدین خوارزمی سے، جن کو آگے چل کر شمس الملک کا خطاب ملا اور سلطان غیاث الدین بلبن کے وزیر ہوئے تحصیل علم کیا اور صرف بیس سال کی عمر میں عربی ادب اور فقہ کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد سرکاری قاضی کے عہدہ پر مقرر کیے جانے کے خواہش مند ہوئے لیکن شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (م ۶۶۴ھ) کے بھائی شیخ نجیب الدین المتوکل (م ۶۸۱ھ) کے ایما پر، جنھوں نے اس نوجوان عالم میں ایک بہت بڑے ولی کے آثار دیکھ لیے تھے ۔ وہ ۶۵۵ھ ۔ ۱۲۵۷ء میں اجودھن یا پاکپتن گئے اور شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید ہو گئے[1] ۔ اس طرح شیخ نظام الدین کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ۔ اور رفتہ رفتہ وہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے خلیفہ اور ہند کے ایک عظیم ترین ولی ہو گئے ۔ انھوں نے بمقام غیاث پور، جسے اب بستی نظام الدین کہتے ہیں اور دہلی سے تین میل کے فاصلے پر ہے، اپنی خانقاہ میں ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ۔ اپریل ۱۳۲۵ء بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا[2]۔

شیخ نظام الدینؒ اور مطالعۂ حدیث

یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ شیخ نظام الدین نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں حدیث کی

---

[1] فوائد الفواد، اردو ترجمہ، ص ۴۸، خزینۃ الاصفیا، ج ۱ ص ۲۲۹ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۲

[2] فوائد الفواد اردو ترجمہ، سیر الاولیا ص ۹۴ ۔ اخبار الاخیار، ص ۵۲ ۔

تعلیم نہیں حاصل کی بلکہ انھوں نے علمِ حدیث کا مطالعہ اس وقت شروع کیا جب وہ ایک ممتاز ولی کی حیثیت سے بہت مشہور ہو چکے تھے لیکن اس کا سبب معلوم کرنا دشوار نہیں۔ اس زمانے میں قاضی کا منصب حاصل کرنے کے لیے جن علوم کا حاصل کرنا ضروری تھا ان سے فراغت کے بعد شیخ نظام الدین کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ علمِ حدیث کی تحصیل پر توجہ کر سکیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ قاضی مقرر کر دیے جاتے جیسا کہ وہ چاہتے تھے تو حدیث کا مطالعہ کرنے کی انھیں ضرورت نہ ہوتی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت بخشی اور وہ جیسے جیسے روحانیت کی منازل طے کرتے گئے ان کو مطالعۂ حدیث کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی گئی۔ چنانچہ ایک عالم اور ولی کے اوصاف سے پوری طرح متصف ہونے کے باوجود انھوں نے مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور ان سے "مشارق الانوار" کا درس لینے لگے۔ شیخ نظام الدین نے اس کتاب کا بہت غائر اور تنقیدی مطالعہ کیا اور ۶۷۹ھ - ۱۲۸۰ء میں اس کی تکمیل کے بعد مولانا کمال الدین سے سند حاصل کی۔

مطالعۂ حدیث نے شیخ نظام الدین کے ذہن پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ مدرسہ میں تعلیم کے دوران میں شیخ نظام الدین نے چالیس مقاماتِ الحریری زبانی یاد کر لیے تھے اور وہ اسے ایک ایسا گناہ تصور کرتے تھے جس کا کفارہ ادا کرنے کے لیے انھوں نے "مشارق الانوار" میں درج تمام احادیث حفظ کر لیں۔ حدیث کے مطالعہ نے زندگی کے متعلق ان کا نقطۂ نظر اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ انھوں نے علما کی جامد تقلید پسندی ترک کر دی اور محدثین کا مسلک اختیار کیا۔ چنانچہ حلّتِ سماع، قرأت خلف الامام اور صلوٰۃ الجنازۃ علی الغائب کے متعلق ان کی رائے سے اس تبدیلی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

شیخ نظام الدین بحیثیت محدث

شیخ نظام الدین کے ملفوظات "فوائد الفواد" کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے پائے کے محدث نہیں تھے کیونکہ اس کتاب میں منجملہ دوسری باتوں کے بہت سی موضوع احادیث بھی موجود ہیں۔[۵۳]

---

۵۳ فوائد الفواد، مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۹۴ء، ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۴، ۱۳۲

ممکن ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ "مشارق الانوار" کے سوا حدیث کی کسی اور مستند کتاب کا انھوں نے مطالعہ نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ مستحق ستائش ہیں کہ انھوں نے اپنی خانقاہ کے لوگوں میں مطالعۂ حدیث سے گہری دلچسپی پیدا کر دی جس کی بدولت ان کے مریدوں اور مریدوں کے جانشینوں میں کافی بڑی تعداد ایسے علما کی ہو گئی جنھوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی ۔ (م ۷۴۷ھ - ۱۳۴۶ء)

ان کا تعلق شیخ نظام الدین کے دبستان حدیث سے تھا۔ اور یہ اس زمانہ کے دو مشہور علما فرید الدین شافعی اور ظہیر الدین بھکری کے شاگرد تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مرشد شیخ نظام الدین اولیا سے "مشارق الانوار" کا درس بھی لیا تھا اور اس سے فراغت کے بعد سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسہ میں مدرس مقرر کیے گئے تھے۔ ۷۲۴ھ - ۱۳۲۳ء میں شیخ نظام الدین نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کا فرض ان کے تفویض کیا۔ لیکن مامور بہ کار ہونے سے قبل ہی ۷۴۷ھ - ۱۳۴۶ء میں وہ اچانک انتقال کر گئے اور دہلی میں مدفون ہوئے[۵۴]

شمس الدین پہلے ہندی محدث اور دوسرے مسلمان شارح ہیں جنھوں نے "مشارق الانوار" کی شرح لکھی[۵۵] بدقسمتی سے یہ شرح اب ناپید ہے شمس الدین کے نامور شاگرد نصیر الدین چراغ دہلی نے ان کی مدح میں جو شعر کہا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عالم تھے[۵۶]

فخر الدین زرّادی سمانوی دہلوی ۔ (م ۷۴۸ھ - ۱۳۴۷ء)

یہ شمس الدین اودھی اور دہلی کے بعض دوسرے مشہور علما کے ہم جماعت رہ چکے تھے فخر الدین فقیہ بھی تھے اور محدث بھی۔ انھوں نے علم حدیث کا بہت وسیع اور غائر مطالعہ کیا تھا۔ دہلی میں "الہدایہ" کا درس دیتے ہوئے وہ صحیحین سے مماثل احادیث بطور سند بیان کرتے جاتے تھے۔

---

۵۴ اخبار الاخیار، ص ۹۰-۹۱، مراۃ الاسرار، ۷۴۲ الف، تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۳۔

۵۵ اخبار الاخیار، ص ۹۰۔

۵۶ سالت العلم من احیاک حقا ۔ فقال العلم شمس الدین یحییٰ

جس سے خود ہدایہ کی صحت زیادہ واضح ہو جاتی تھی[۷] سماع کے بارے میں انھوں نے عربی میں دو رسالے "اصول السماع" اور "کشف القناع عن وجوہ السماع" لکھے ہیں، جن میں احادیث کے حوالے بکثرت دیے ہیں۔ بالخصوص مؤخر الذکر رسالہ کی آٹھویں فصل میں جس میں احادیثِ نبوی کی رُو سے سماع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

شیخ نظام الدین اولیا نے سماع کے بارے میں جو مشہور مناظرہ کیا تھا اس میں فخرالدین نے بھی اپنے مرشد کے ساتھ حصہ لیا تھا۔ محمد بن تغلق کے حسبِ ایما فخرالدین بھی دولت آباد چلے گئے تھے جہاں سے وہ مکہ معظمہ اور بغداد گئے اور وہاں کے ممتاز محدثین کے درس میں شرکت کی۔ ۷۴۸ھ ـ ۱۳۴۷ء میں وطن واپس آتے ہوئے سمندر میں غرق ہو گئے۔[۸][۹]

ضیاء الدین بن معید الملک برنی

تاریخ فیروز شاہی کے مشہور مصنف ضیاء الدین برنی نے شیخ نظام الدین اولیا کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اس طرح ان کو اپنے مرشد سے بہت قریب ہونے کا موقع ملا۔[۱۰] ضیاء الدین برنی ایک شائستہ انسان تھے اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔[۱۱] علم حدیث پر انھیں کتنا عبور حاصل تھا اس کا اندازہ ان احادیث سے ہو سکتا ہے جن کا حوالہ انھوں نے اپنی تاریخ میں دیا ہے اور بالخصوص کتاب کے مقدمہ سے جس میں انھوں نے حدیث اور تاریخ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔[۱۱] اس میں برنی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول کا مطالعہ کرنے سے انسان اعتدال پسند اور کریم النفس ہو جاتا ہے۔[۱۲]

---

۷ ماہنامہ معارف، ج ۲۲، ش ۵، ص ۳۳۱

۸ سیر الاولیاء، ص ۲۷۳ ـ ۲۷۵، اخبار الاخیار، ص ۸۵ ـ ۸۶، خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ص ۳۵۱۔

۹ اخبار الاخیار، ص ۹۶ ـ ۹۷۔

۱۰ نزہتہ الخواطر، ص ۶۴۔

۱۱ تاریخ فیروز شاہی، ص ۹ ـ ۱۱

۱۲ ایضاً، ص ۵۶۴۔

۷۵۸ھ/۱۳۵۷ء میں برنی کی "تاریخ فیروز شاہی" مکمل ہوئی اور اس کے کچھ عرصہ بعد انھوں نے وفات پائی [۱۳]

محی الدین بن جلال الدین بن قطب الدین کاشانی۔ (م ۷۱۹ھ - ۱۳۱۹ء)

یہ شیخ نظام الدین اولیا کے ان مریدوں میں سے تھے جو علم حدیث سے بہت گہرا شغف رکھتے تھے۔ وہ خود شیخ نظام الدین کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے جس میں وہ مشکل احادیث کی تشریح کیا کرتے تھے [۱۴] "خزینۃ الاصفیاء" میں مذکور ہے کہ محی الدین علم حدیث، تفسیر اور فقہ کے عالم تھے۔ ان کا تعلق اودھ کے موروثی قاضیوں کے ایک خاندان سے تھا۔ مگر انھوں نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی اور انتہائی افلاس سے دوچار رہے۔ ان کے ایک دوست نے سلطان علاء الدین خلجی کو ان کی حالتِ زار سے آگاہ کیا تھا اور سلطان نے ان کو اودھ کا قاضی بنا دینے کی پیش کش کی تھی مگر انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۷۱۹ھ - ۱۳۱۹ء میں محی الدین نے دہلی میں انتقال کیا [۱۵]

نظام الدین علامی الہاشمی ظفر آبادی۔ (م ۷۳۵ھ - ۱۳۳۴ء)

نظام الدین علامی بہت مشہور عالم تھے، علمِ حدیث پر ان کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ انھیں زبدۃ المحدثین کہا جانے لگا۔ شیخ نظام الدین سے بیعت کر کے انھوں نے اپنی زندگی کے علمی دور کا آغاز کیا تھا اور غالباً ان کی وفات کے بعد جون پور کے قریب ظفر آباد کے محلہ سید واڑہ میں مخدوم اسد الدین آفتابِ ہند (۶۶۱ تا ۷۹۳ھ) کی رہبری میں تصوف کی تربیت کے مدارج طے کیے۔ مخدوم اسد الدین ایک مشہور ولی تھے اور انھوں نے نظام الدین کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ نظام الدین نے تصوف پر دو رسالے قلم بند کیے ہیں۔ ایک عربی زبان میں ہے جس کا نام "زاد الصلحا" ہے اور دوسرا فارسی میں ہے اور اس کا نام "زاد السالکان" ہے۔ نظام الدین نے ۷۳۵ھ - ۱۳۳۴ء میں ظفر آباد میں وفات پائی [۱۶]

---

[۱۳] ایضاً، ص ۶۰۲، تذکرۂ علما ص ۹۷۔ [۱۴] سیر الاولیا، ص ۱۰۲۔

[۱۵] ایضاً ۲۷۵ - اخبار الاخیار، ص ۹۱، ۹۲۔

[۱۶] تجلی نور، ص ۲۲، نزہۃ الخواطر، ص ۱۷۵۔

شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی ۔ (۷۵۷ھ ۔ ۱۳۵۶ء)

نصیر الدین محمود بن یحییٰ بن عبد اللطیف الحسینی، یزدی اودھی "چراغِ دہلی" کے نام سے بہت مشہور ہیں۔ شیخ نصیر الدینؒ غیاث پور کی خانقاہ میں شیخ نظام الدین اولیاؒ کے جانشین ہوئے تھے۔ انھوں نے محی الدین کاشانی، شمس الدین محمد اودھی اور دوسرے علما کے ساتھ اسلامی علوم کا مطالعہ کیا تھا۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا جس کا ثبوت ان کے ملفوظات "خیر المجالس" سے ملتا ہے[۱۷]۔ جمعہ ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ ستمبر ۱۳۵۶ء کو شیخ نصیر الدین نے دہلی میں وفات پائی[۱۸]۔

سید محمد گیسو دراز ۔ (۷۲۱ تا ۸۲۵ھ ۔ ۱۳۲۱ تا ۱۴۲۲ء)

ابو الفتح صدر الدین محمد بن یوسف بن علی الحسینیؒ دہلوی جو گیسو دراز کے نام سے بہت مشہور ہیں۔ بہت بڑے اور نامور ولی تھے۔ وہ شیخ نصیر الدینؒ چراغِ دہلی کے مرید تھے اور خانقاہ غیاث پور میں ان کے جانشین ہوتے۔ سید محمد ۴ رجب ۷۲۱ھ ۔ جولائی ۱۳۲۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ شرف الدین کیتھلی، تاج الدین مقدم اور قاضی عبد المقتدر (م ۔ ۷۹۱ھ) کے ساتھ تحصیل علم کیا۔ تیمور کے حملے کی وجہ سے سید محمد نے ۸۰۱ھ ۔ ۱۳۹۹ء میں دہلی کو خیرباد کہا اور چند سال گجرات اور دولت آباد میں مقیم رہنے کے بعد ۸۱۵ھ ۔ ۱۴۱۲ء میں گلبرگہ پہنچے جہاں سلطان فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ تا ۸۲۵ھ ۔ ۱۳۹۷ تا ۱۴۲۲ء) نے بہت اعزاز و احترام کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ شہزادہ احمد شاہ بہمنی ان کا مرید ہو گیا تھا اور اس نے ان کے لیے بہت عمدہ رہائش گاہ اور اس سے متصل خانقاہ تعمیر کی۔ سید محمد نے دوشنبہ ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ اکتوبر ۱۴۲۲ء کو وفات پائی[۱۹]۔

سید محمد گیسو دراز نے مختلف اسلامی علوم کے بارے میں ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں حدیث سے متعلق تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ "شرح مشارق الانوار"۔ اس شرح کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حدیث کی تاویل تصوف کا نقطۂ نظر

۱۷۔ خیر المجالس، شیخ نظام الدین اولیا کے ایک مرید حمید کی مرتب کردہ ہے۔ اخبار الاخیار ص ۸۰

۱۸۔ سیر الاولیا، ص ۲۳۶، اخبار الاخیار، ص ۸۷، خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۵۴ ۔۔۔

۱۹۔ تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۳۱۶، اخبار الاخیار، ص ۱۲۳، خزینۃ الاصفیا، ص ۳۸۱ ۔ ۳۸۲۔

ملحوظ رکھ کر کی گئی ہے۔

۲۔ "ترجمانِ مشارق الانوار"۔ یہ کتاب "مشارق الانوار" کا فارسی ترجمہ ہے۔

۳۔ "کتاب الاربعین"۔ یہ رسالہ چالیس منتخب احادیث کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے ہر حدیث کے ساتھ صحابہ، تابعین اور مشائخ کے ہم مفہوم اقوال بھی قلم بند کیے ہیں۔

۴۔ رسالہ سیرت النبیؐ۔

شیخ وجیہہ الدین

وجیہہ الدین شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ایک ممتاز مرید تھے۔ علم حدیث پر ان کو کافی عبور حاصل تھا۔ اپنی تصنیف "مفتاح الجنان" کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے جو فارسی میں لکھی گئی ہے اور اس میں اوراد و عبادات اور اخلاقیات سے متعلق ہدایات قلم بند کی گئی ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب قرآن حکیم اور صحیح ترین احادیث پر مبنی ہے اور اس سے غالباً مصنف کی مراد "مشارق الانوار" ہے۔ "مفتاح الجنان" کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۰۸۴ھ۔ ۱۶۷۳ء میں لکھا گیا تھا برٹش میوزیم میں موجود ہے[۲۰]

قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ (م ۸۴۹ھ۔ ۱۴۴۵ء)

ملک العلما شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولی، غزنوی، دولت آبادی اوائل نویں صدی ہجری کے ایک نامور عالم تھے۔ دولت آباد دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دہلی میں معین الدین عمرانی (م ۔۷۰۷ھ) مولانا خواجگی (م ۸۱۹ھ) اور قاضی عبد المقتدر الشریحی (م ۷۹۱ھ) جیسے ممتاز علما سے تعلیم حاصل کی۔ قاضی عبد المقتدر، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے[۲۱] اور یہی قاضی شہاب الدین کے روحانی مرشد تھے۔ تیمور کے حملے کی وجہ سے قاضی شہاب الدین، مولانا خواجگی کے ساتھ دہلی چھوڑ کر کالپی چلے گئے۔ اور پھر وہاں سے جون پور جا کے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۴ تا ۸۴۴ھ۔ ۱۴۰۱ تا ۱۴۴۰ء) نے قاضی شہاب الدین کی بہت سرپرستی کی اور ان کو ملک العلما کا خطاب دیا۔ ۲۵ رجب ۸۴۹ھ۔ اکتوبر ۱۴۴۵ء کو قاضی شہاب الدین کا انتقال ہوا اور جون پور میں ابراہیم

---

[۲۰] نمبر ۱۶۹۔ اوراق ۳۲۴

[۲۱] نزہۃ الخواطر، ص ۷۱۔

شرقی کی مسجد کے قریب دفن کیے گئے۔[۲۲]

قاضی شہاب الدین کی تصانیف میں ایک رسالہ سادات کی فضیلت کے بارے میں ہے جس کا نام "مناقب السادات یا شرف السادات" ہے۔ اس رسالے میں مصنف نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا بکثرت حوالہ دیا ہے۔ یہ احادیث "مشارق الانوار"، "مصابیح السنۃ"، "مشکوٰۃ المصابیح" اور الطحاوی کی "شرح معانی الآثار" سے لی گئی ہیں۔

شمس الدین خواجگی کڑاوی

شمس الدین خواجگی بن احمد بن شمس الدین ملتانی، کڑاوی، اسماعیل بن حضرت جعفر صادق (م۔۱۴۸ھ) کی اولاد میں ہیں۔ وہ ایک صوفی عالم تھے۔ انھوں نے "مشارق الانوار" میں سے احادیث منتخب کر کے ایک اربعین مرتب کیا تھا اور اسے حفظ بھی کر لیا۔ مولانا شمس الدین خواجگی نے اپنے وطن کڑا میں، جو الٰہ آباد کے قریب ہے، ۸ محرم ۸۷۸ھ۔ مئی ۱۴۷۳ء کو وفات پائی۔[۲۳] ان کا مقبرہ دریائے گنگا کے کنارے تھا جو ۱۹۴۰ کے سیلاب میں بہہ گیا۔ اگرچہ اس کا قطعی ثبوت موجود نہیں کہ مولانا خواجگی کا تعلق شیخ نظام الدین اولیا کے حلقۂ محدثین سے تھا تاہم گمانِ غالب یہ ہے کہ وہ اس حلقہ سے متعلق تھے کیونکہ وہ اودھ میں رہے اور یہ علاقہ شمس الدین اودھی اور شیخ نصیر الدین چراغِ دہلی جیسے نظام الدین کے ممتاز مریدوں کے زیرِ اثر تھا۔

---

[۲۳] نزہۃ الخواطر، ج ۳، شمس الدین خواجگی۔